ISSN Online: 2709-762
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

تخلص کی معنوی جہات اور غالب

CONNOTATIONS OF PEN NAME AND GHALIB

*** اسد رؤف**

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، نادرن یونیورسٹی نوشہرہ، خیبر پختون خوا

**** پروفیسر ڈاکٹر منور ہاشمی**

ڈین فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، نادرن یونیورسٹی، نوشہرہ

ABSTRACT:

Ode in Urdu is superior to the other kinds of poetry due to its popularity, writing modes and structure. From Ameer Khusru to the present day, after carving the exhilaration and merriment with different colors, tastes and states, the ode in Urdu has adopted the most updated version of itself. The features of description also foreshadow their exquisiteness through their beauty and attractiveness. From Wali Dakni to the present era, pen names are used in the last couplets according to the various interpretations. The vast fullness of the levels of meanings has bestowed a trust to the ode along with somewhat transformation and addition in the usage of pen names by every poet. The multiple meanings of every pen name are impressive according to its meanings and its level of meditation. Generally, the usage of pen names is unconscious, however, on certain occasions the conscious use of pen names has been a cause to develop the meditative aspect and the modality of meanings due to which the worth of the ode has been increased.

Keyword: *Poetry, Ode, Last Couplets, Pen Names, Ghalib, meditative, occasions, exquisiteness*

اُردو غزل اپنی ہیئت، اُسلوب اور موضوعاتی وسعت کی وجہ سے دیگر اصنافِ شاعری پر سبقت رکھتی ہے۔ امیر خسروؒ سے آج تک اس نے مختلف رنگوں، ذائقوں اور کیفیات سے سرور وانبساط کشید کر کے موجودہ صورت اختیار کی ہے۔ غزل کے اجزائے ترکیبی بھی جوں کے توں اپنے حُسن اور دل کشی کو لیے ہوئے اپنا رنگ جماتے ہیں۔ ولیؔ دکنی سے اب تک اُردو غزل کے مقاطع میں تخلص کا استعمال کئی رنگ لیے ہوئے ہے۔ معنوی جہات کی وسعت نے تخلص کے برتاؤ میں ہر شاعر کے ہاں کچھ نہ کچھ تبدیلی و اضافہ کے ساتھ غزل کو اعتبار عطا کیا ہے۔ فکری و معنوی ہر دو سطح پر تخلص کی ذُو معنویت متاثر کن ہے۔ تخلص کا برتاؤ عمومی طور پر غیر شعوری ہوا ہے جب کہ خاص مواقع پر شعوری طور پر تخلص کا استعمال معنوی جہات اور فکری پہلوؤں کو بڑھاوا دینے کا سبب بنا ہے۔ جس سے غزل کی شان مزید بڑھی ہے۔

اُردو غزل جس کا باقاعدہ آغاز ولیؔ دکنی سے ہوا، اپنے اندر متنوع رجحانات کو لیے ہوئے ہے۔ ولی کا ابتدائی کلام مقامی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ 1700ء میں ولیؔ کی شمالی ہندوستان میں آمد ہوئی۔ یہاں فارسی کے نام ور شاعر سعد ؔاللہ گلشن سے ملے۔ کلام دکھانے پر انھیں جو مشورہ سعد ؔاللہ گلشن نے دیا اسے میر تقی میرؔ نے اپنے تذکرہ "نکات الشعرا" میں بھی نقل کیا ہے:

"ایں ہم مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اندر در ریختہ خود بکار تو کہ محاسبہ خواہد گرفت۔" (1)

ولیؔ کو سعد اللہ گلشن ؔکی یہ بات پسند آئی اُنھوں نے اپنے کلام میں فارسی روایت سے استفادہ کیا۔ یوں فارسی غزل کے تمام لوازمات یعنی ہیئت، اوزان و بحور، تشبیہات و استعارات، تلمیحات و کنایات اور مضامین و خیالات بھی اُردوئے قدیم میں بے تکلفی سے شامل ہو گئے، جس سے غزل کے دائرہ کار اور چمک دمک میں اضافہ ہوا۔ مختلف رنگوں سے مزین کلام ولیؔ جب 1720ء میں شمالی ہندوستان پہنچا تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کی رائے میں:

"ہر بڑے شاعر کی طرح دیوان ولیؔ میں بھی مختلف رنگ تھے۔ ہر شاعر نے اپنی پسند کے مطابق ولی کی شاعری سے اپنا محبوب رنگ چن لیا۔ آبروؔ، مضمونؔ، ناجیؔ اور حاتمؔ نے فارسی شعرا متاخرین کی مروجہ روایت کے زیرِ اثر جس میں ایہام گوئی نمایاں میلان کا درجہ رکھتی تھی، دیوانِ ولیؔ سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کی بنیاد ایہام گوئی پر رکھی۔ یہ طرزِ شاعری چوں کہ تقاضائے وقت کے مطابق اور اس دور کے مزاج کا حامل تھا، اتنا مقبول ہوا کہ برصغیر کے سب چھوٹے بڑے شاعروں کا پسندیدہ طرز بن گیا۔"(2)

یعنی اُردو کی پہلی باقاعدہ تحریک ایہام گوئی کلام ولیؔ سے نکلنے والا ایک چشمہ تھی۔ ولیؔ کے کلام میں اس کی تصدیق کرتے ہوئے ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی لکھتے ہیں :

"ولیؔ کی قادر الکلامی کا راز بہت کچھ ان کی اسی قسم کی صلاحیت میں مضمر سمجھا گیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ یہاں دوسرے صنائع کے ساتھ یہ صنعت بھی کہیں کہیں استعمال میں لائی گئی۔"(3)

یہ طرزِ شاعری محمد شاہی دور کے عیش و نشاط کے ماحول میں پروان چڑھا۔ ایہام سے مراد ہے کلام میں ایک لفظ لانا جس کے دو معنی ہوں: ایک قریب اور دوسرا معنی بعید۔ ایہام گو شعرا نے فن کو بیش قیمت سمجھا، الفاظ کو بڑی ہُنر مندی کے ساتھ شعوری طور پر ایہام کے تناظر میں پیش کر کے معنی و مفاہیم پیدا کیے۔

ہندوستان پر 1739ء میں نادر شاہ اور 1754ء میں احمد شاہ ابدالی نے حملے کیے، ان حملوں نے دہلی کی فضا کو سوگوار کر دیا۔ قتل و غارت گری سے نہ صرف خوف وہراس بڑھا بل کہ سیاسی و سماجی حالات یک سر بدل گئے۔ اب دہلی اور گردونواح کی وہ پہلی سی رونقیں نہ رہی تھیں۔ لہٰذا نئے حالات سے نئے شاعرانہ ماحول و مزاج نے جنم لیا۔ ایہام گوئی کو ترک کر کے شعرا نے فکری پہلوؤں کو بھی فن کے ساتھ اہم جانتے ہوئے اپنے کلام میں قلبی و ذہنی کیفیات کی ترسیل کو یقینی بنایا۔ اس کی ابتدا ظہور الدین شاہ حاتمؔ سے ہوئی۔ ڈاکٹر محمد زکریا لکھتے ہیں:

"حاتم نے شعر نوجوانی کے زمانے سے کہنے شروع کیے۔ محمد شاہی دور میں ایہام گوئی کا رجحان چھایا ہوا تھا۔ حاتم نے اسی انداز میں شاعری شروع کی۔ وہ ایہام گوئی کے بانیوں میں تھے۔ اس انداز کی شاعری تقریباً 1730ء تک کی۔ اس وقت اُنھوں نے اپنا دیوانِ قدیم مرتب کر لیا تھا، جس کا انتخاب اب پروفیسر عبدالحق نے مرتب کر کے دہلی سے شایع کیا ہے، جس میں "دیوان زادہ" سے کئی برس پہلے کا کلام شامل ہے۔ 55-1754ء میں اپنے تمام کلام کا انتخاب کیا اور کل ملا کر تقریباً پانچ ہزار اشعار کا ایک دیوان تیار کیا، اسی کو "دیوان زادہ" کہا جاتا ہے۔"(4)

حاتمؔ کے اس عمل نے اُردو میں تازہ گوئی کے رجحان کو بنیاد فراہم کی جس پر آگے چل کر میرؔ و سوداؔ نے عمارت تعمیر کی۔ اگرچہ یہاں کے ناگفتہ بہ حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر ایک تحریک ختم ہوتی ہے اور اس کے متبادل دوسری کا آغاز ہوتا ہے؛ لیکن تخلص میں جو ذُو معنویت کا حسن ولی کے مقاطع میں پہلو داری کی کئی پرتیں لیے ہوئے نظر آتا ہے وہ باوجود تازہ گوئی کی تحریک کے ایہام کی اس خوبی سے مبرا نہیں ہوتا۔ اس کے اثرات کلاسیکی عہد سے جدید تر عہد تک ذُو معنویت کی صورت میں بڑے واضح اور گہرے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں کلاسیکی عہد کے سر برآوردہ شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کے تخلص میں موجود معنوی جہات کو دریافت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اُردو غزل میں تخلص کی روایت پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کلاسیکی عہد سے عہدِ حاضر تک کثیر تعداد میں ایسے شعرا موجود ہیں، جنھوں نے دو، دو تخلص برتے ہیں یا اَدبی ماحول کے پیشِ نظر اپنی فکری برتری قایم کرنے کے لیے اپنے تخلص کو بدلا بھی ہے۔ اس کی ایک مثال مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کا تخلص بھی ہے۔ ان کے تخلص پر بات کرتے ہوئے نیاز محمد خاں "میزانِ غالب" میں لکھتے ہیں:

ISSN Online: 2709-762
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

"اسد اللہ خاں پہلے "اسد" تخلص کرتے تھے۔ مگر دوسرے شاعر میر مانی کی وجہ سے اُنھوں نے "اسد" کی بجائے "غالب" تخلص کر لیا اور یہ مناسب اور موزوں بھی رہا۔ کیوں کہ غالب آخر کار سب پر غالب آ گئے۔"(5)

اس عہد کی شاعرانہ فضا کا جائزہ لیا جائے اور شاعروں کی معاصرانہ چشمک کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ غالبؔ تخلص کی کیا معنویت ہے۔ غزلیات کے مقاطع میں لفظ "غالبؔ" لغوی معنوں کے علاوہ، موضوع کی مناسب سے بھی اپنی چند پرتیں ظاہر کرتا ہے۔ ان تمام پر روشنی ڈالنے سے قبل "غالبؔ" جو کہ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے اُردو لغت سے معنوں کا پتہ لگانا ضروری ہے۔

"فرہنگِ آصفیہ" میں اس کے حسبِ ذیل معنی درج ہیں:

"(صفت) غلبہ والا، غلبہ کرنے والا، زبردست، پیش، زیادہ بھاری، سر آمد اکثر ضرور، شکست دینے والا، زیر کرنے والا، فتح یاب، مغلوب کرنے والا، سر کرنے والا، جیتنے والا، سبقت لے جانے والا، بڑھ جانے والا، شرف لے جانے والا، اسد اللہ خاں دہلوی ابن عبداللہ بیگ کا تخلص جو مرزا نوشہ کے نام سے مشہور ہوئے اور دبیر الملک، نظام جنگ کے خطاب سے ممتاز تھے۔" (6)

جب کہ "نور اللغات" میں: صفت، زبردست، مغلوب کرنے والا، جیتنے والا، سبقت لے جانے والا، غالب آنا، جیتنا، زیر کرنا وغیرہ لکھے ہوئے ہیں۔(7)

غالب کا ایک مقطع ہے:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور(8)

مندرجہ بالا مقطع میں "غالبؔ" بہ طور شاعر بھی اظہار کر رہا ہے جب کہ لغوی معنوں کے ساتھ ساتھ حاوی، برتر، اعلیٰ وغیرہ سے بھی اس میں مفہوم موجود ہے۔ جہاں غالب سُخن ور ہے وہاں تخلص کی بجائے لغوی معنوں اور حاوی، نمایاں، برتر کو رکھا جائے تو یوں لگتا ہے وہ شخص جو بیان کر رہا ہے اپنے آپ کو ان خوبیوں کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ جب کہ دوسری صورت میں "کہتے ہیں غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور" شاعر کسی دوسرے کے کلام کی دل کشی کی بدولت اُسے مذکورہ تمام خوبیوں کا حامل شخص قرار دے رہا ہے۔ اسی حوالے سے ایک اور مقطع ہے:

ریختے کے تمھیں اُستاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا(9)

اس مقطع میں تخلص بہ طور شاعر بھی مفہوم پیش کر رہا ہے جب کہ اس سے لغوی معنوں اور اس کے علاوہ نمایاں، حاوی اور برتر ہونا کے معنوں سے بھی مفہوم نکلتا ہے۔ یہاں ریختہ یعنی اُردو شاعری کے مجموعی کلام کا تاثر پیش کر کے غالبؔ جو کہ ایک شاعر ہے، وہ میرؔ کو اپنے سے بڑا شاعر بتا رہا ہے۔ ایسے ہی اگر غالبؔ کی جگہ متذکرہ معنوں کو تصور میں لایا جائے تو شاعر کے مطابق نمایاں، برتر اور اچھا، بہترین ہونے کی خوبی میرے علاوہ مجھ سے پہلے میرؔ کے کلام میں بھی موجود تھی۔ انھی معنوں سے مفاہیم پیش کرتے چند ایسے مقاطع ملاحظہ کریں جن میں تخلص کا استعمال شعوری معلوم ہوتا ہے:

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟(10)

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے(11)

ناداں ہو، جو کہتے ہو کہ، کیوں جیتے ہیں، غالبؔ!
قسمت میں ہے، مرنے کی تمنا کوئی دِن اَور(12)

میں ہُوں اور اَفسُردگی کی آرزُو غالِبؔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا(13)

بہ طور امثال پیش کیے جانے والے مندرجہ بالا چاروں مقاطع میں تخلص لغوی معنوں کے علاوہ بہ طور برتر، نمایاں اور حاوی جیسے معنوں سے بھی مفہوم پیش کرتا ہے۔ پہلے مقطع کو پڑھتے ہی" پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے؟ "یہ احساس ہوتا ہے کہ جیسے شاعر نے مقطع میں تخلص کو شعوری طور پر ذُومعنی استعمال کر کے مقطع کی معنویت میں اضافہ کیا ہے۔ جب کہ باقی تینوں مقاطع میں بھی ذومعنویت کی یہی صورت و کیفیت ہے۔
جیسے ولیؔ اور میرؔ کے تخلص سے نرگسیت کے سبب ذومعنویت کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہے ویسے ہی صورت مرزا کے مقاطع میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ ایک مقطع ملاحظہ کریں جس میں غالب نے بڑی مہارت کے ساتھ تخلص کے استعمال میں صنعتِ تجرید کا لطف پیدا کیا ہے اور ذُومعنویت بھی۔

میں نے روکا تھا رات غالب کو، وگرنہ دیکھتے
اس کے سَیلِ گریہ میں، گردوں، کفِ سیلاب تھا(14)

اس مقطع میں شاعر اپنی ذات سے الگ ہو کر اپنی ہی ذات سے محوِگفت گو ہے۔ میں کے اندر وہ خود ہے جب کہ "غالب" میں کسی محبوب اور پیارے کو پیش کر رہا ہے۔ جسے اس نے رونے سے روکا اگر وہ نہ روکتا تو اتنا سیلاب برپا ہو جاتا کہ آسمان اس سیلاب کا کف (جاگ) نظر آنے لگتا۔
اب چند ایک ایسے مقاطع پیش کیے جا رہے ہیں جن میں تخلص کی ذومعنویت کا عمل نرگسیت کے ساتھ ساتھ غیر شعوری بھی معلوم ہوتا ہے:

یہ غزل اپنی، مجھے جی سے پسند ہے آپ
یہ ردیفِ شعر میں غالِبؔ! از بس تکرارِ دوست(15)

تاب لائے ہی بنے گی، غالبؔ!
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز(16)

غالبؔ! مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گُلِ جَیبِ قبائے گُل(17)

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگ نا گہانی اور ہے(18)

ہم کہاں کے دانا تھے ، کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسمان اپنا(19)

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا(20)

مندرجہ بالا تمام مقاطع میں خود کلامی کا پہلو بھی موجود ہے اور اس کے سبب تخلص میں ذُو معنویت کی دل کشی بھی۔ پہلے مقطع میں جہاں شاعر خود کو ہی اپنے شعر میں ردیف کے غالب ہونے کے متعلق بتا رہا ہے وہاں ہی اس میں تخلص سے جیتنے والے، سبقت لے جانے اور چند دیگر برتر، نمایاں اور حاوی ہونا جیسے الفاظ کو رکھنے سے بھی مختلف مفاہیم سامنے آتے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی غزل کے ذکر سے وہ یہاں بہ طور شاعر بھی غیر شعوری انداز میں موجود ہے۔ یہ مقطع غالب کے ہاں تخلص کی ذُو معنویت کے حوالے سے کئی وسعتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اسی طرح دوسرے مقطع میں غالب کی جگہ اگر حاوی، نمایاں، اعلیٰ، برتر اور فوقیت جیسے الفاظ کو رکھا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے شاعر کو اس بات کا کامل شعور ہے کہ جذبات میں گرمی و شدت لائے بغیر مشکل حالات سے نکلنا ممکن نہیں۔ تیسرے مقطع میں نرگیست کا پہلو بھی موجود ہے ساتھ ہی ساتھ یہاں شاعر کو اس بات کا شائبہ ہے کہ اس کے اوپر ہم آغوشی کی آرزو چھا چکی ہے۔ مسلط، حاوی اور برتر و نمایاں ہو چکی ہے۔ اسی طرح چوتھے مقطع میں جو حاوی، مسلط بلائیں تھیں وہ تو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو چکی ہیں؛ لیکن ایک موت کا انتظار ہے جو ابھی نہیں آئی۔ تخلص میں انھی معنوں سے پہلو داری کا عمل پانچویں اور چھٹے مقطع میں بھی اپنے صد رنگ جلوے بکھیر تا ہے۔ کچھ مقاطع میں تخلص سے لغات میں درج معنی اکثر، بیش تر اور زیادہ سے بھی معنویت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے حسبِ ذیل مقاطع دیکھیں:

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالبؔ! اگر عمر طبیعی نہ سہی(21)

غالبؔ! نہ کر حضور میں تو بار بار عرض!
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر(22)

نہ کہہ کسی سے کہ غالبؔ! نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت ، مگر در و دیوار(23)

ISSN Online: 2709-762
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

پہلے شعر کے مصرع ثانی میں "غالبؔ" زیادہ، بیش تر کے معنوں میں بھی استعمال ظاہر کر رہا ہے۔ شاعر خود کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں اگر تم نے بہت زیادہ زندگی نہیں پائی لیکن جتنی تھی وہ حسینوں کی محبت میں گزری ہے۔ اسی طرح دوسرے مقطع میں زیادہ کا لفظ رکھا جائے تو بھی ایک نیا مفہوم بنتا ہے۔ یہی صورت حال تیسرے مقطع میں بھی تخلص کے ساتھ ہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے مقاطع میں کہیں کہیں شعوری و لاشعوری طور پر مقاطع سے "پختہ" کے معنوں سے بھی مفہوم سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے حسبِ ذیل مقاطع دیکھیں:

غالبؔ! اپنا یہ عقیدہ ہے ، بقولِ ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے ، جو مُعتقدِ میرؔ نہیں[24]

مُضمَحِل ہو گئے قُویٰ غالبؔ
وہ عناصر میں اِعتِدال کہاں[25]

پہلے مقطع میں غالبؔ کی جگہ اگر پختہ کے لفظ کو رکھا جائے تو شاعر کے مطابق اس کا ناسخؔ کی طرح یہ پختہ عقیدہ ہے کہ وہ بدنصیب ہے جو میرؔ کی برتری اور عظمت کو دل سے نہیں مانتا ۔اسی طرح دوسرے مقطع میں غالبؔ پختہ زور آور، طاقت ور قوتوں کے معنوں میں بھی ذُو معنویت کی صورت میں اپنے اندر کچھ دیگر معانی و مفاہیم بھی رکھتا ہے۔ کچھ مقاطع میں عشق اور اس کے متعلقات کا ذکر کچھ اس انداز میں ہوا ہے کہ ایسے لگتا ہے "غالبؔ" جو کہ شاعر کا تخلص ہے، بہ طور عاشق اظہار کر رہا ہے۔ مندرجہ ذیل مقاطع ملاحظہ ہوں:

میرے دِل میں ہے غالبؔ! شوقِ وصل و شکوہ ہجراں
خدا وہ دن کرے ، جو اس سے میں یہ بھی کہوں ، وہ بھی[26]

عشق نے پکڑا نہ تھا غالبؔ ابھی الفت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے![27]

مندرجہ بالا دونوں مقاطع میں تخلص غالبؔ اپنے پہلے بیان ہونے والے تمام معنوں سے بھی مفہوم پیش کرتا ہے جب کہ شاعر نے بڑی ہُنر مندی کے ساتھ عشق کی کیفیات شوق وصل، ہجر و فراق کے ذکر سے تخلص پر عاشق کا لبادہ بھی اوڑھ دیا ہے۔ غالب کے مقاطع میں مندرجہ ذیل معنی ممکنہ و غیر ممکنہ طور پر اظہار پاتے ہیں۔ غالب: فتح یاب، مغلوب کرنے والا، زبردست، زیادہ، بھاری، اکثر، جیتنے والا، سبقت لے جانے والا، حاوی، نمایاں، برتر، اعلیٰ، محبوب، پختہ، شاعر، عاشق وغیرہ۔ مذکورہ الفاظ سے پیدا ہونے والی تمام ذُو معنی صورتیں غالبؔ کے ہاں اس روایت کی عمدہ تصویر کُشی کرتی ہیں۔ کلامِ غالب کے مقاطع کے جانچ کے بعد جو صورتیں سامنے آئی ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ غالب بہ طور لغوی معنوں

۲۔ غالب بہ طور حاوی، مسلط، نمایاں

۳۔ غالب بہ طور شاعر

۴۔ غالب بہ طور محبوب (نرگسیت)

ISSN Online: 2709-762
ISSN Print: 2709-7617

۵۔غالب بہ طور اکثر، بیش تر، زیادہ

٦۔غالب بہ طور پختہ

۷۔غالب بہ طور عاشق۔

مجموعی حوالے سے اگر دیکھا جائے تو تخلص میں مندرجہ بالا تمام ذُو معنوی جہات کی موجودگی سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شاعر نے اپنی غزلیات کے مقاطع میں یہ تاثر قایم کرنے کی کوشش کی ہے کہ جیسے اپنے معاصرین پر نفسیاتی اور فکری برتری کے حصول کے لیے اس کے پیشِ نظر اس سے بڑھ کر کوئی اور تخلص نہیں تھا۔اس کا مقاطع میں شعوری و لاشعوری استعمال نہ صرف مقاطع کے حُسن و معنویت میں اضافہ کرتا ہے بل کہ غالب کے قادر الکلام اور ایک بڑا شاعر ہونے پر بھی مُہر ثَبت کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. میر تقی میر ، ”نکات الشعرا“، نظامی پریس، بدایوں، طبع 1922ء، ص94
2. جمیل جالبی، ڈاکٹر، ”تاریخِ اَدبِ اُردو“، مجلسِ ترقی اَدب، لاہور، جلد دوّم، طبع ششم، اپریل 2009ء، ص189
3. کلیاتِ ولی، مرتب: ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، طبع 2016ء، ص39
4. خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، مختصر تاریخ اَدبیاتِ مسلمانانِ پاک وہند، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، طبع 2015ء، ص115
5. نیاز محمد خاں، میزانِ غالب، ٹرم لائن گرافکس، راول پنڈی، طبع 16- 2017ء، ص4
6. سید احمد دہلوی، ” فرہنگِ آصفیہ “ ، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، جلد سوّم، بارِ پنجم 2006ء، ص300
7. نور الحسن، مولوی، ”نور اللغات “ ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، جلد دوّم، طبع 1985ء، ص746
8. اسد اللہ خان غالب، مرزا، ”دیوانِ غالب “ ، مرتب: پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی، دانیال پبلی کیشنز، طبع 2003ء، ص36
9. ایضاً، ص153
10. ایضاً، ص168
11. ایضاً، ص377
12. ایضاً، ص204
13. ایضاً، ص85
14. ایضاً، ص112
15. ایضاً، ص180
16. ایضاً، ص208
17. ایضاً، ص225
18. ایضاً، ص327
19. ایضاً، ص164
20. ایضاً، ص112
21. ایضاً، ص396
22. ایضاً، ص191
23. ایضاً، ص189
24. ایضاً، ص366
25. ایضاً، ص230
26. ایضاً، ص320
27. ایضاً، ص320